کمرشل انٹرسٹ کی فقہی حیثیت کا تنقیدی جائزہ

از جناب مولوی فضل الرحمٰن صاحب ایم اے ال ال بی
ادارہ علوم اسلامیہ مسلم یونیورسٹی علی گڈھ

(۵)

ربوا اور کمرشل انٹرسٹ کے فرق کے جس ایجابی پہلو کا دعویٰ کیا گیا ہے اس میں بھی کوئی جان نہیں! واقعہ یہ ہے کہ صرفی اور حاجتمندانہ اغراض کے لئے سودی قرضے دینے والے اور کمرشل انٹرسٹ پر روپیہ دینے والے کے ذہنی رجحان اور دونوں کے افعال کے نتائج میں ذرہ برابر فرق نہیں ہوتا۔ دونوں یہی چاہتے ہیں کہ اپنے سرمایہ کی واپسی کی ہر ممکن ضمانت کے ساتھ اور اسے ہر نقصان سے محفوظ رکھتے ہوئے دوسرے کے مملوکہ نفع میں بغیر استحقاق شرکت شریک ہوں۔ نتیجہ بھی دونوں میں ایک ہی ہے کہ قرضدار کے نفع کی کوئی گارنٹی نہیں اور قرضخواہ کے نفع کی بہرحال گارنٹی ہے۔ جو فرق بیان کیا گیا ہے کہ "حاجتمندانہ قرض میں قرضخواہ قرضدار کا بدخواہ ہوتا ہے اور نفع آور قرض میں اس کا ہوا خواہ" محض مغالطہ ہے۔ دونوں صورتوں میں قرضدار کے دیوالیہ ہو جانے یا قرض کی رقم مع سود ادا نہ کر سکنے کی صورت میں قرضخواہ مکفولہ جائداد وغیرہ (SECURITY) سے اپنا سرمایہ مع سود وصول کرنے کا حق رکھتا ہے۔

سود اور کمرشل انٹرسٹ کے معاملہ کو مزید الجھانے کے لئے چند مثالیں بھی پیش کی گئی ہیں پہلی مثال ایک بھینس کی ہے "جو آٹھ سو روپے میں خریدی گئی ہے" اور "جو روزانہ دس پندرہ سیر دودھ دیتی ہے۔" (مالک) اپنی بھینس ایک شخص کو اس شرط پر دیتا ہے کہ تم اس کی خدمت کرو اور اس کے دودھ، دہی، گھی

---

[1] کمرشل انٹرسٹ ص ۷۵

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مکھن' سے فائدہ اٹھاؤ اور مجھے چار یا پانچ سیر دودھ روزانہ دے دیا کرو" اس مثال کو پیش کرنے کے بعد موصوف نے سوال اٹھایا ہے کہ "اگر فریقین میں ان شرائط پر ایجاب وقبول ہو جائے تو کیا یہ سودا کسی فقہ کی رو سے ناجائز ہوگا[1]؟"

دوسری مثال یہ دی گئی ہے کہ "ایک شخص کئی عدد رکشا یا تانگہ گھوڑا لوگوں کو اس شرط پر دیتا ہے کہ تم مجھے اتنی رقم روزانہ دیدیا کرو" پھر سوال کیا گیا ہے کہ کیا یہ سودا حرام ہے[2]؟

موصوف نے ان دونوں سوالوں کا جواب خود ہی دیا ہے کہ یہ دونوں قسم کے سودے جواز کی حد میں آتے ہیں اور مزید سوال کیا ہے کہ "کیا کمرشل انٹرسٹ کی بالکل یہی شکل نہیں[3]"

اول بھینس کی مثال لیجئے[4]۔ اس مثال کو پیش کرکے جس انداز سے سوال اٹھایا گیا ہے اس سے بادی النظر میں یہ غلط فہمی پیدا ہوتی ہے کہ فقہا کے نزدیک یہ معاملہ جائز ہے حالانکہ حقیقت اس کے برخلاف ہے۔ فقہ حنفی کی معتبر کتاب رد المحتار علی الدر المختار[5] میں (جو آج بھی برصغیر ہند و پاک میں فتاویٰ کا ماخذ ہے) بعینہ یہی مسئلہ "شرکت فاسدہ" کی فصل[6] میں موجود ہے۔ شامی نے صاف طور سے بتایا ہے کہ یہ معاملہ فاسد ہے بھینس کا دودھ، دہی، گھی، مکھن وغیرہ بھینس کے مالک کی ملکیت ہے اور وہ شخص جسکے سپرد اسے یا گیا ہے وہ اُجرت مثل' کا حقدار ہے مسئلہ کی یہ صورت اس وجہ سے ہے کہ فقہ اسلامی میں شرکت کی دو صورتیں ہیں۔ ایک تو شرکتِ ملک (CO — OWNERSHIP) دوسری شرکتِ عقود (PARTNERSHIP BY AGREEMENT) مذکورہ معاملہ شرکتِ ملک کسی طرح قرار نہیں دیا جا سکتا 'نہ بھینس کا مشترک ملکیت ہونا یہاں زیر بحث ہے۔ رہی شرکتِ عقود' وہ نہ حیوانات کے اعیان میں ہوتی ہے اور نہ منافع میں[7]۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ شرکتِ عقود کی بنیادی شرط یہ ہے کہ وہ تصرف جس پر شرکت کا عقد واقع ہوا ہے وکالت (نیابت) کو قبول کر سکتا ہو تاکہ اس تصرف سے جو کچھ حاصل ہو اُسے

---

[1] و [2] و [3] کمرشل انٹرسٹ ص ۵، [4] یہ مثال اس سوالنامہ میں بھی موجود تھی جو ادارہ ثقافت اسلامیہ نے اُس مذاکرے کے لئے مرتب کیا تھا جو کچھ عرصہ ہوا سود کے موضوع پر لاہور میں منعقد کیا گیا تھا۔ حالانکہ اس مثال میں ایسا سطحی مغالطہ ہے کہ اسے کسی علمی مذاکرے کے مباحث میں شامل کرنا زیب نہیں دیتا۔ [5] مصنفہ ابن عابدین شامی [6] ۳۶۱/۳ [7] الشرکۃ لاتصح فی اعیان الحیوان فکذا فی منافعہا بدائع ۶/ ۶۴

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

فریقین کے درمیان مشترک قرار دیا جا سکے اور وہ حکم جو اس شرکت سے مطلوب ہو (اشتراک فی الربح - یعنی منافع میں شرکت) متحقق ہو سکے۔ کیونکہ اگر فریقین میں سے ہر ایک کو ایک نصف میں دوسرے کا وکیل (نائب Agent) اور دوسرے نصف میں اصیل (PRINCIPAL -) قرار نہیں دیا جا سکتا تو حاصل شدہ منافع کو فریقین کے درمیان مشترک قرار دینے کی کوئی صورت اس لئے باقی نہیں رہ جاتی کہ خریدی ہوئی چیز خریدار کی مخصوص ملکیت ہوتی ہے جس میں شرکت کا کوئی سوال نہیں اٹھتا[۵۱]۔ مذکورہ مثال میں ایک تو عقدِ شرکت کسی تصرف پر واقع ہونے کے بجائے حیوان کی منفعت پر واقع ہو رہا ہے جو شرکت کا معقود علیہ بننے کی صلاحیت نہیں رکھتا کیونکہ شرکت عقود کا معقود علیہ صرف تصرف ہوتا ہے۔ دوسرے یہ معاملہ ایسا ہے جس میں وکالت کی کوئی صورت متصور نہیں ہو سکتی۔ لہذا مذکورہ معاملہ شرکت فاسدہ قرار دیا جائیگا۔ شرکتِ فاسدہ کی اس صورت کا حکم جس میں مال صرف ایک جانب سے رہا ہو یہ ہے کہ نفع مالکِ مال کا ہوتا ہے اور دوسرے فریق کو اجرِ مثل ملتا ہے[۵۲]۔ گویا ایسے معاملہ کو

---

۵۱ وشرطہ [شرکۃ العقود] ان یکون التصرف المعقود علیہ عقد الشرکۃ قابلا للوکالۃ لیکون ما یستفاد بالتصرف مشترکا بینہما فیتحقق حکمہ المطلوب منہ [وہو الاشتراک فی الربح اذ لو لم یکن کل منہما وکیلا عن صاحبہ فی النصف واصیلا فی النصف الآخر لا یکون المستفاد مشترکا لاختصاص المشتری بالمشتری] ہدایہ مع فتح القدیر باب الشرکۃ ۵/۴،

ما تجوز فیہا الوکالۃ تجوز فیہا الشرکۃ وما لا تجوز فیہا الوکالۃ لا تجوز فیہا الشرکۃ بدائع ۶/۶۳

عصری قوانین بھی PARTNERSHIP BY AGREEMENT کی ایک بنیادی شرط اہلیت وکالت قرار دیتے ہیں۔ مثال کے طور پر دیکھئے ہندوستان و پاکستان کا PARTNERSHIP ACT -

۵۲ حاصلہ ان الشرکۃ الفاسدۃ اما بدون مال او بہ من الجانبین او من احدہما

فحکم ۱- الاولی ان الربح فیہا للعامل کما علمت

۲- والثانیۃ بقدر المال ولم یذکر ان لاحدہم اجرا لانہ لا اجر للشریک فی العمل بالمشترک کما ذکروہ فی قفیز الطحان

۳- والثالثۃ لرب المال وللآخر اجر مثلہ

... وعلی ہذا اذا دفع البقرۃ بالعلف لیکون الحادث بینہما نصفین فما حدث فہو لصاحب البقرۃ وللآخر مثل علفہ واجر مثلہ تاتارخانیہ

رد المحتار علی الدر المختار ۳/۳۶۱

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کو فاسد قرار دینے کی صورت میں اُسے جس صورت پر منتقل کیا جاتا ہے وہ اجارہ ہے جس میں نفع متاجر کا ہوگا اور اجیر کو اجر مثل ملے گا جس کی وجہ یہ ہے کہ جیسا پہلے بتایا گیا منافعہ استثمار مال ہی، اس لئے مالک مال کی ملکیت ہوگا اور دوسرے شخص نے کیونکہ استیفاء منافع عقدِ فاسد کے ذریعہ کیا ہے اس لئے وہ اجر مثل کا حقدار ہوگا[۵۱]۔ بالفاظ دیگر یہ سمجھا جائیگا کہ بھینس کے مالک نے اس شخص کو بھینس کی خدمت کے لئے ملازم رکھا ہے، دودھ گھی وغیرہ بھینس کے مالک کا ہی اور اس نے بھینس کو جو چارہ وغیرہ کھلایا ہے اس کے برابر اور اجر مثل مالک سے وصول کرنے کا حق ہے۔ فتاویٰ خانیہ سے مزید تفصیل معلوم ہوتی ہے کہ اگر وہ شخص جس کے سپرد وہ بھینس کی گئی ہے۔ اس کے دودھ سے دہی یا گھی وغیرہ بنا چکا ہے تو یہ چیزیں اس کی ملکیت ہوگئیں اور مالک کا حق اُن سے منقطع ہوگیا۔ اب اس کے ذمہ اس بھینس کے استعمال شدہ دودھ کے برابر دودھ مالک کو واپس کرنا ہے۔ کیونکہ دودھ مثلی اشیاء میں سے ہے اور مالک کے ذمہ یہ ہے کہ وہ اس چارے کی قیمت ادا کرے جو بھینس نے کھایا ہے (اگر وہ چارہ اس شخص کی ملکیت تھا) اور اس شخص کو بھینس کی غورہ پرداخت اور دیکھ بھال کی اُجرت بھی ادا کرے[۵۲]۔

عجیب بات یہ ہے کہ فاضل موصوف کمرشل انٹرسٹ کو شرکت فاسدہ پر قیاس کرنا چاہتے ہیں مگر معلوم نہیں کہ تیار ہیں یا نہیں کمرشل انٹرسٹ پر شرکت فاسدہ کے مذکورہ احکام کے اجراء کے لئے۔ اس سے بڑی مشکل یہ ہے کہ ان دونوں معاملات یعنی کمرشل انٹرسٹ اور بھینس کی شرکت فاسدہ میں کوئی قدر مشترک

---

۵۱ استیفاء المنفعۃ بعقد فاسد یوجب اجر المثل - بدائع ۶/ ۱۸۴

۵۲ "رجل اخذ من رجل بقرۃ علی ان ما یحصل من لبنہا من المصل والسمن والرائب یکون بینہما لا یجوز: وما اتخذ المدفوع الیہ من لبنہا من المصل والسمن یکون لہ لانقطاع حق المالک عن ذلک وعلی المدفوع الیہ مثل ما اخذ من البان البقرۃ لان اللبن مثلی ولمالک البقرۃ قیمۃ علفہا ان کان اعلفہا بعلف مملوک لہ لا ما اکلت ھی فی المرعی وعلیہ قیام اجر مثلہ علیہا" فتاوی قاضی خان، کتاب الاجارات، باب الاجارۃ الفاسدۃ۔ بولاق ۱۳۱۰ھ ۲/ ۳۳۰

مولف کی غلط فہمی کا منشا یہ ہے کہ وہ شرکت ملک اور شرکت عقود میں تمیز نہیں کر سکے۔ حالانکہ یہ دو بالکل مختلف چیزیں ہیں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بھی تو نہیں جس کی بنا پر ان دونوں کو ایک سا معاملہ قرار دیا جائے اور ایک کو دوسرے پر قیاس کیا جا۔
علاوہ بریں موصوف یہ بھول جاتے ہیں کہ انھوں نے صراحت کے ساتھ یہ فرض کر لیا ہے کہ بھینس رہ
اس مقدار سے دوگنا یا تین گنا دودھ دیتی ہے جو مالک نے خود لینا طے کیا ہے مگر کیا موصوف ـ
نزدیک موجودہ زمانہ میں سود پر قرض لے کر کاروبار کرنے کے لئے صنعت و تجارت ایسی ہی وفا شع
دودھاری بھینس ہے! اچھا ہوتا اگر موصوف یہ واضح کر دیتے کہ اگر معاملہ کے دوران بھینس کا دودھ
ہو جائے یا مقدار مقررہ سے کم ہو جائے تو مالک کو کیا ملے گا۔ اور اس شخص کو کیا ملے گا۔

دوسری مثال بھی اپنے اعجوبہ پن میں پہلی سے کم نہیں۔ یہ مثال اجارہ کی ہے جسے کمرشل انٹر
دور کا بھی واسطہ نہیں۔ ان دونوں میں فرق سمجھنے کے لئے اجارہ کی حقیقت اور اس کی خصوصیات
پیش نظر رکھنا ناگزیر ہے۔

اجارہ کی حقیقت بیع منفعۃ ہے۔ کسی چیز میں ایک تو اس چیز کا عین (CORPUS) ہوتا ہے جو اُ
شے کی ذات سے عبارت ہے دوسرے اس میں اس عین سے حاصل ہونے والی منفعۃ (USUFRUCT
ہے مثلاً رکشا یا تانگے میں ایک چیز تو ان دونوں کی ذات یا عین ہے یعنی اُن کا وہ مادی جسم جو محسوس و مشا
دوسرے اس رکشا یا تانگے سے حاصل ہونے والا فائدہ یا منفعۃ یعنی اس کی سواری۔ مطلق بیع کی صورت میں رکشا
کا عین اور اس کی منفعۃ دونوں ایک بدل کے عوض فروشندہ کی ملکیت سے نکل کر خریدار کی ملکیت میں آجا
لیکن اجارہ کی صورت میں فروشندہ صرف منفعۃ کی بیع کرتا ہے اور عین کو اپنی ملکیت میں باقی رکھتا ہے خریدار ص
منفعۃ کا مالک ہوتا ہے یعنی رکشا یا تانگے کے اجارہ کی صورت میں رکشا یا تانگہ علیٰ حالہ مالک کی ملکیت بـ
لیکن سواری کا حق خریدار کی ملکیت ہو گیا۔ شریعت اسلامیہ کے نزدیک یہ منفعۃ ایسی ہونی چاہیئے
و شرع کی نظر میں اس عین سے حاصل کی جا سکتی ہے[1]
چنانچہ اجارہ اس عقد کا نام ہے جس میں فریقین کی رضامندی سے ایک فریق کی مملوکہ منـ

---

[1] مقصودۃ من العین فی الشرع ونظر العقلاء

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سی بدل کے عوض اس کی ملکیت سے خارج ہوکر دوسرے کی ملکیت میں داخل ہوجاتی ہے[۵۱]۔ اجارہ کی حقیقت سے یہ بات ازخود متعین ہوجاتی ہے کہ اجارہ صرف انھیں چیزوں کا ہوسکتا ہے جن سے انتفاع یا حصول منفعت اُن کے عین کو باقی رکھتے ہوئے ہوسکتا ہے۔ اگر انتفاع بغیر استہلاک عین ممکن نہیں تو اس چیز پر اجارہ منعقد ہونے کی کوئی صورت نہیں کیونکہ ایسی حالت میں اجارہ کی حقیقت (یعنی بیع منفعۃ مع بقار عین) میں تبدیلی واقع ہوجاتی ہے[۵۲]۔ سرمایہ کا اجارہ، جیساکہ بتایا گیا، اس لئے نہیں ہوسکتا کہ اس میں انتفاع بغیر استہلاک عین کے نہیں ہوتا[۵۳]۔ سرمایہ کی یہ خصوصیت اسے دوسری اشیار سے

---

۵۱ بدائع الصنائع ۴/۱۷۳ ومابعدہا؛ الفقہ علی المذاہب الاربعہ ۳/۱۲۵ ومابعدہا؛ بدایۃ المجتہد کتاب الاجارات؛ المغنی ۶/۴۔

۵۲ "الاجارۃ جائزۃ فی کل شئی لہ منفعۃ فیوٰاجر لینتفع بہ ولایستہلک عینہ" ابن حزم: المحلی ۸/۱۸۲ "ولا تجوز اجارۃ ... لانہ لایمکن الانتفاع بہا الا بعد استہلاک اعیانہا والداخل تحت الاجارۃ المنفعۃ لاالعین" الکاسانی بدائع الصنائع ۴/۱۵۷ "تجوز اجارۃ کل عین یمکن ان ینتفع بہا منفعۃ مباحۃ مع بقائہا بحکم الاصل" ابن قدامہ: المغنی ۶/۱۲۹؛ "ومالاتجوز اجارتہ اقسام (احدہا) مالایمکن الانتفاع بہ مع بقار عینہ" المغنی ۶/۱۳۲؛ نیز المہذب للشیرازی ۱/۳۹۹ ومابعدہا، ماتجوز اجارتہ ومالاتجوز "ویشترط للمنفعۃ شروط ... ثالثہا ان یمکن استیفار المنفعۃ بدون استہلاک شئی من العین المستاجرۃ او من عین اخری متولدۃ عنہا قصدا" الفقہ علی المذاہب الاربعۃ ۳/۱۴۵ (مالکیہ کا مسلک) "ثم ان المنفعۃ التی تصح اجارتہا ھی المنفعۃ التی لایترتب علیہا استہلاک نفس العین او استہلاک شئی متولد منہا فلایصح استئجار النقود لانہ لاینتفع بہا الا باستہلاکہا کما لایصح استئجار الشجرۃ للانتفاع بثمرہا او البقرۃ لشرب لبنہا لان اللبن والثمر اعیان ولایمکن الانتفاع بہا الا باستہلاکہا" حوالہ بالا ۳/۱۴۰ (حنفیہ کا مسلک) "ومنہا ان لاتکون عینا مقصودۃ بعقد الاجارۃ کما اذا استاجر بقرۃ من اجل لبنہا فان العقد یتضمن ان المقصود انما ہو استیفار اللبن واللبن عین لاتملک بعقد الاجارۃ قصدا لان الاعیان لاتملک بالاجارۃ الا تبعاً" حوالہ بالا ۳/۱۵۱ (شافعیہ کا مسلک)

۵۳ سرمایہ اور دیگر اعیان میں اس بنیادی فرق کی وجہ سے جب کسی کا حق کسی کے سرمایہ پر ثابت ہوتا ہے تو (باقی صفحہ ۳۳۱)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نماز کے اس پر اجارہ کے انعقاد کو روک دیتی ہے۔

مذکورہ باتوں کو ذہن میں رکھ کر سوچا جائے تو معلوم ہوگا کہ کمرشل انٹرسٹ اور اجارہ میں کوئی وجہ مماثلت نہیں پائی جاتی۔ کیونکہ:۔

(۱) اجارہ منفعت کی بیع کا معاملہ ہے۔ اس میں عین بدستور مُواجِر[۱] (اجارہ پر دینے والے) کی ملک رہتا ہے لیکن منفعت پر سے اس کی ملکیت ختم ہو کر اس پر مستاجِر[۲] (اجارہ پر لینے والے) کی ملکیت ثابت ہو جاتی ہے اور بدل پر (جو اس صورت میں اجر یا اُجرت کہلاتا ہے) مُواجِر کی ملکیت ثابت ہو جاتی ہے اس کے برخلاف کمرشل انٹرسٹ بیع کا نہیں بلکہ قرض کا معاملہ ہے اس میں سرمایہ کا عین اور منفعت دونوں قرضخواہ کی ملکیت سے نکل کر قرضدار کی ملکیت میں داخل ہو جاتی ہیں اور قرضدار کو اس میں تمام تصرفات کا حق حاصل ہو جاتا ہے، قرضخواہ کا حق صرف ردِ مثل رہتا ہے نہ کہ کوئی اور بدل یا معاوضہ یا اُجرت۔

(۲) مستاجَر (اجارہ پر لی ہوئی چیز) اجارہ پر لینے والے (مستاجِر) کے ہاتھ میں امانت

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۳۰) وہ سرمایہ کے کسی متعین جزو سے متعلق نہیں ہوتا بلکہ اس شخص کے ذمہ سے متعلق ہوتا ہے اس کے برخلاف دیگر اعیان میں وہ حق کسی مخصوص ومتعین چیز سے متعلق ہو جاتا ہے "عین" اور "دین" کا یہ اصولی فرق معاملات کے فقہی ابواب کی ایسی بنیاد ہے جس کو سمجھے بغیر معاملات کا بڑا حصہ ناقابلِ فہم رہتا ہے "دین"، "عین" اور RIGHT IN REM اور RIGHT IN PERSONAM کے باہمی فرق کے لئے ملاحظہ ہو: عبدالرزاق السنہوری: مصادر الحق فی الفقہ الاسلامی، دراسة مقارنة بالفقه الغربي معهد الدراسات العربية العالية ۱۹۵۳-۱۹۵۴ ۴/۱ وما بعدها

۱ و ۲ و ۳ اگر اجارہ ایسی چیز پر منعقد ہوا ہے جس کی ذات سے نفع اٹھایا جاتا ہے مثلاً مکان تو اس صورت میں کرایہ پر دینے والے کو مُواجِر، لینے والے کو مُستاجِر کہیں گے اور کسی عمل، کاریگری یا خدمت پر ہو تو محنت کا صانع یا خدمت گار کو اَجیر اور دوسرے فریق کو مستاجر کہیں گے۔ اگر وہ عمل ایسا ہے کہ وہ محنت کار دوسروں کا کام بھی کرتا ہے تو اسے اجیر مشترک اور اگر مثلاً ذاتی ملازم اور کسی دوسرے کا کام نہیں کرتا تو اسے اجیرِ وحد یا اجیر خاص کہتے ہیں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہوتی ہے۔ قرض کی رقم جیساکہ کئی جگہ بیان کیا گیا قرضدار کی بہمہ وجوہ ملک ہوتی ہے، چنانچہ قرض کے معاملہ میں وراثت جاری ہوتی ہے مگر اجارہ میں نہیں ہوتی۔

(۳) جیساکہ بتایا گیا سرمایہ پر اجارہ باتفاق فقہاء منعقد ہی نہیں ہوتا۔ درانحالیکہ کمرشل انٹرسٹ کے معاملہ میں سرمایہ ہی قرض لیا جاتا ہے۔ بالفاظِ دیگر شریعتِ اسلامیہ میں سرمایہ اجارہ کا موضوع بننے کی صلاحیت نہیں رکھتا۔ اجارہ کا موضوع (ما وقع علیہا الاجارۃ) سرمایہ کے علاوہ دوسری چیز ہونا چاہیئے لیکن کمرشل انٹرسٹ میں قرض کا موضوع سرمایہ ہی ہوتا ہے۔ یہاں قرض کا موضوع وہی چیز ہے جو اجارہ کا موضوع بننے کی صلاحیت نہیں رکھتی۔

عقد اجارہ اور قرض کے معاملہ میں ان بنیادی اختلافات کے ہوتے ہوئے ایک دوسرے پر قیاس کرنے کی کوئی صورت نہیں۔

فاضل موصوف مذکورہ دونوں مثالوں اور کمرشل انٹرسٹ کے درمیان مماثلت کا دعویٰ پیش کرکے اصولاً یہ تسلیم کرتے ہوئے کہ کمرشل انٹرسٹ میں مفت خوری موجود ہے، کرایہ مکان، جاگیرداری اور مضاربت میں مفت خوری کا دعویٰ کرتے ہیں اور کہنا چاہتے ہیں کہ اگر مفت خوری کی وجہ سے کمرشل انٹرسٹ معتوب ہے تو ان سب کو بھی معتوب ہونا چاہیئے۔ حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ مؤلف کا یہ ایراد اسی صورت میں قابل اعتنا ہوسکتا ہے جب یہ ثابت ہوجائے کہ ان سب چیزوں کی حقیقت وہی ہے جو کمرشل انٹرسٹ کی ہے لیکن جیساکہ معلوم ہوچکا ان صورتوں اور کمرشل انٹرسٹ میں مماثلت ایک دعویٰ خام ہے، اُن کی حلت وحرمت سے کمرشل انٹرسٹ کی حلت وحرمت پر دلیل قائم کرنا کوئی صحت مند طرزِ استدلال نہیں۔

اس سے زیادہ عجیب یہ بات ہے کہ مؤلف کمرشل انٹرسٹ پر روپیہ چلانے کو، یہ دعویٰ کرتے ہوئے، زیادہ بہتر سمجھتے ہیں کہ سرمایہ دار کے سامنے دو راستے ہیں، اکتناز یا کمرشل انٹرسٹ پر روپیہ چلانا، دلیل یہ دیتے ہیں کہ اکتناز بے نفع سے نفع رساں مفت خوری زیادہ بہتر ہے۔ کیونکہ اس میں دولت گردش میں رہتی ہے اور اکتناز میں کیونکہ یہ گردش نہیں ہوتی اس لئے وہ بہت بڑی معصیت ہے[1]۔ حالانکہ ان دونوں حرام افعال

---

[1] کمرشل انٹرسٹ ص ۷۷

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

میں ترجیح کی ضرورت یا معقولیت صرف اسی وقت زیر بحث آسکتی ہے جب سرمایہ دار پر ان دو حرام راستوں کے علاوہ کاروبار میں حلال طور پر سرمایہ لگانے اور جائز نفع حاصل کرنے کے دوسرے تمام راستے بند ہوں۔ ان دونوں کے علاوہ دوسرے حلال راستوں یا کم از کم حرمت میں ان دونوں سے کم راستوں کی موجودگی کی صورت میں، ان ہی دو حرام طریقوں میں سے ایک کو دوسرے پر ترجیح دے کر اختیار کرلینا کسی معقول آدمی کا کام نہیں ہوسکتا۔ مزید براں موصوف صرف روپیہ کے گردش میں رہنے کی بنا پر کمرشل انٹرسٹ کو اکتناز پر ترجیح دیتے ہیں۔ حالانکہ اگر روپیہ کی گردش صرف سرمایہ دار طبقہ تک محدود رہے تو وہ گردش بھی حرام ہے[۵۱] سودی کاروبار کی خرابی کی جڑ یہی ہے کہ اس میں سرمایہ کی تمام تر گردش سرمایہ دار طبقہ تک محدود رہتی ہے اس کے علاوہ اکتناز پر جو وعید ہے انسان اس سے زکوٰۃ کی ادائیگی کے بعد بچ سکتا ہے لیکن سود کی وعید سے بچنے کی تو کوئی صورت ہی نہیں اس لئے علی الاطلاق یہ دعویٰ کیسے کیا جاسکتا ہے کہ کمرشل انٹرسٹ کا کاروبار اکتناز سے بہتر ہے۔

معلوم ہوتا ہے کہ کمرشل انٹرسٹ کی حلت کے بارے میں جو دلائل موصوف نے یہاں تک دیئے ہیں ان سے وہ خود بھی مطمئن نہیں ہیں چنانچہ ان تمام کوششوں کے بعد موصوف نے کمرشل انٹرسٹ اور بیع سَلَم میں مماثلت ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔

بیع سَلَم ایسی بیع کو کہتے ہیں جس میں قیمت پیشگی ادا کر کے مقررہ و معلوم مال تجارت کو ایک مقررہ مدت کے بعد لیا جاتا ہے۔ مثلاً ایک شخص پیشگی قیمت کے طور پر ایک ہزار روپے کسی گیہوں کے تاجر کے حوالے کرتا ہے اور اس رقم کے عوض پچاس من گیہوں، ایک مخصوص مقررہ کوالٹی کے، دو ماہ بعد لینا طے کرتا ہے تو یہ معاملہ بیع سَلَم کہلائے گا۔ اس معاملہ کے لئے ضروری ہے کہ (۱) قیمت کے طور پر جو چیز ادا کی جارہی ہے اور جس چیز کی قیمت ادا کی جارہی ہے، ان دونوں میں ادھار کا معاملہ کرنا جائز ہو[۵۲] جن اشیاء میں ادھار

---

[۵۱] کی لا یکون دولۃ بین الاغنیاء منکم۔ قرآن مجید

[۵۲] بعض اوقات اس بات کو اس طرح کہا جاتا ہے کہ ربوا الفضل کی حرمت کی علت کے جو دو اوصاف ہیں ان میں سے کوئی ایک وصف مبیع یا ثمن میں نہ پایا جاتا ہو بات ایک ہی ہے کیونکہ ربوا الفضل کی علت کے دو اوصاف میں سے ایک کی موجودگی نسیئۃ یعنی ادھار کو ناجائز کر دیتی ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جائز نہیں ان میں سَلَم کا معاملہ جائز نہیں ہے۔ (۲) راس المال اور مسلم فیہ دونوں کی جنس، نوع، وصف اور قدر بیان کردی گئی ہو۔ ساتھ ہی وہ مُدت بھی مقرر کی جاچکی ہو جس کے بعد مسلم فیہ لینا طے ہوئی ہے اور مُدت مقررہ کے اختتام پر وہ چیز بازار میں موجود ہو[۵۱]۔ سلم کا معاملہ انھیں اجناس میں ہو سکتا ہے جو مکیل موزون، مذروع یا عددی المتقارب ہیں کیونکہ یہی اجناس ایسی ہیں جن کی مجہولیت، کیل، وزن ذراع یا عدد کے بیان سے دور کی جاسکتی ہے۔

فاضل مؤلف نے بیع سلم کی تعریف "الفقہ علی المذاہب الاربعۃ" کے حوالہ سے یہ دی ہے

وهو ان يعطي ذهبا او فضة في سلعة معلومة الى امد معلوم بزيادة في السعر الموجود عند السلف[۵۲]

مولف کا ترجمہ: "بیع سلم کا مطلب یہ ہے کہ ایک شخص کسی کو ایک معین مدت تک کیلئے سونا یا چاندی کسی ایسے متعین سودے کے لیے دے جس کا نرخ قرض دیتے وقت کے نرخ سے زیادہ ہو[۵۳]"

عبارت کے سیاق سے دھوکا ہوتا ہے کہ بیع سَلَم کی وہ اصطلاحی تعریف ہے جو فقہا نے کی ہے اصل کتاب سے رجوع کرنے سے معلوم ہوگا کہ ایسا نہیں ہے بلکہ یہاں پر خود عبدالرحمٰن الجزیری نے سَلَف کی اصطلاح کے دو مفہوموں کی وضاحت کی کوشش کی ہے اور یہ بتانے کے لئے کہ ان میں سے ایک مفہوم کے اعتبار سے 'سلم' کو 'سلف' بھی کہتے ہیں یہ بتایا ہے کہ 'سلف' کا ایک مفہوم تو قرض ہے' اس معنی میں تو 'سلم' کو 'سلف' نہیں کہتے دوسرے معنی سلف کے وہ ہیں جو اوپر مذکور ہوئے' اس معنی کے اعتبار سے سلم کو سلف کہہ دیا جاتا ہے[۵۴]

---

۵۱ ہم نے سَلَم کی صرف وہ خصوصیات لی ہیں جو متفق علیہ ہیں۔ اس لئے صرف اتنا کہنے پر اکتفا کی ہے کہ مسلم فیہ مدت مقررہ کے اختتام پر بازار میں موجود ہو۔ ورنہ اس سلسلہ میں حنفیہ کی شرط یہ ہے کہ مسلم فیہ 'سلم' کے وقت سے لیکر مدت مقررہ کے اختتام تک برابر بازار میں موجود رہے۔ دیکھئے ہدایہ باب السلم

۵۲ عبدالرحمٰن الجزیری: الفقہ علی المذاہب الاربعۃ ۲/۳۰۲

۵۳ کمرشل انٹرسٹ ص ۸۷

۵۴ الفقہ علی المذاہب الاربعۃ ۲/۳۰۲

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بیعِ سلم کی اصطلاحی تعریفات الجزیری نے آگے دی ہیں[1]۔ ان تعریفات کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ کہ محولہ بالا عبارت میں "بزیادۃ فی السعر الموجود عند السلف" کے فقرے کو نہ فقہائے کرام کی سند حاصل ہے اور نہ وہ بیعِ سلم کا لازمی عنصر ہے۔ یہ الفاظ خود عبدالرحمٰن الجزیری کے ہیں۔ ان الفاظ کا اضافہ سَلَم کے شرعی عقد کی نوعیت بتانے یا اس کی شرائط کی وضاحت کے لئے نہیں کیا گیا بلکہ عام طور پر اس کا جو نتیجہ ہوتا ہے اور جس صورت میں مُسْلِم کو فائدہ ہوتا ہے اس کو واضح کرنے کے لئے کیا گیا ہے۔ چنانچہ الجزیری نے سلم کے ارکان و شرائط پر مذاہب اربعہ کے نقطۂ نظر سے جو بحث دی ہے اس میں کہیں بھی یہ ذکر نہیں آتا کہ اس کا نرخ سلف کے وقت کے نرخ سے زیادہ ہو۔ علاوہ ازیں فاضل مؤلف کا منشا ان الفاظ سے بھی پورا نہیں ہوتا کیونکہ بیع سلم میں مُسْلِم کے منافعہ کی مقدار کا فیصلہ صرف موجودہ نرخ کو سامنے رکھ کر نہیں کیا جا سکتا منافعہ کی مقدار اس نرخ سے متعین ہوگی جو ایک مُدّت کے بعد اس وقت پایا جائیگا۔ جب خریدی ہوئی چیز خریدنے والے کے حوالے کی جائے گی اور یہ بات یقین کے ساتھ نہیں کہی جا سکتی کہ اس مقررہ وقت پر جب مُسْلِم کو وہ چیز ملے گی جس کی قیمت وہ آج ادا کر رہا ہے اس وقت بازار کا نرخ کیا ہوگا۔ اس حقیقت کے پیش نظر مقالہ نگار کا یہ دعویٰ بے بنیاد ہے کہ بیع سَلَم اور کمرشل انٹرسٹ میں کوئی فرق نہیں کیونکہ "دونوں میں قرض دینے والا اپنے نفع کی مقدار مقرر کر دیتا ہے"[2]

---

[1] **الشافعیه** - السلم بیع شئ موصوف فی ذمة بلفظ سلم کان یقول: اسلمت الیك عشرین جنیها مصریة فی عشرین اردبا من القمح الموصوف بكذا علی ان اقبضها بعد شهر مثلا

الحنفیة: السلم هو شراء اجل بعاجل ویسمی صاحب السلعة المؤجلة مسلما الیه ویسمی السلعة مسلم فیه ویسمی الثمن راس مال السلم فاذا اراد شخص ان یشتری قمحا مؤجلا الی اجل مسمی بنقد یدفعه فورا کان ذلك سلما ویسمی المشتری مسلم

المالکیة: السلم عقد معاوضة یوجب شغل ذمة بغیر عین ولا منفعة غیر متماثل العوضین

الحنابلة: السلم عقد علی شئ یصح بیعه موصوف فی الذمة الی اجل - الفقه علی المذاهب الاربعة ۲/۳۰۳ [2] کمرشل انٹرسٹ ص ۷۹

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سلم کی تعریف اور اس کی نوعیت پر ایک نظر ڈالنے سے معلوم ہوجاتا ہے کہ یہ معاملہ بیع کا ہے لیکن فاضل مؤلف نے بیعِ سلم کو قرض کا معاملہ سمجھا ہے۔ چنانچہ الجزیری 'سلف' کی مذکورہ تعریف کے ترجمے میں وہ "عند السلف" کا ترجمہ "قرض دیتے وقت"[1] کرتے ہیں حالانکہ 'عند السلف' کا مطلب یہاں پر صرف یہ ہے کہ "جس وقت سلف کا معاملہ کیا جائے" الجزیری نے جس ابہام کو دور کرنا چاہا تھا فاضل مؤلف اسی میں مبتلا ہوگئے۔ الجزیری کا مقصد یہ بتانا تھا کہ 'سلف' کا لفظ دو مفہوم رکھتا ہے ایک قرض کا دوسرے وہی مفہوم جو سَلَم کا ہے۔ فقہائے حجاز معاملہ زیرِ بحث کو سَلَم کہتے ہیں اور فقہائے عراق اپنی اصطلاح میں اسی معاملہ کو 'سلف' بھی کہہ دیتے ہیں۔ 'سلف'، جب 'سلم' کے مفہوم میں استعمال ہوتا ہے تو اس کے معنی قرض کے نہیں لئے جاتے۔ مقالہ نگار کی اس غلط فہمی نے اُن کی نگاہوں میں 'سلم' کی نوعیت کو بالکل بدل دیا اور وہ اسے قرض کا معاملہ سمجھ بیٹھے[2] حالانکہ بیع سلم میں پیشگی دی ہوئی رقم قرض نہیں ہے بلکہ پیشگی قیمت یعنی 'ثمن عاجل' ہے' ادا کرنے والے اور وصول کرنے والے میں تعلق قرضخواہ اور قرضدار کا نہیں' بیچنے اور خرید نے والے کا ہے' اور مُدّت مقررہ کے بعد ملنے والی چیز راس المال مع سود نہیں بلکہ وہ خریدی ہوئی چیز ہے جو اس مُدّت مقرّرہ کے گذرنے کے بعد وصول کی جارہی ہے (یعنی 'مبیع آجل' جس کی قیمت پہلے ادا کی جاچکی ہو)

بیعِ سلم کو قرض کا معاملہ سمجھ بیٹھنے کی وجہ سے مقالہ نگار نے مثال میں سخت غلطی کھائی ہے اور یہی وجہ ہے کہ وہ سلم کے مناقعہ کی نوعیت کو صحیح طور پر متعین نہیں کرسکے ہیں۔ فاضل مؤلف کی مثال یہ ہے کہ زید خالد کو نوّے روپے قرض دیتا ہے۔ اس وقت گندم کا بھاؤ پندرہ روپے من ہے جس کے لحاظ سے نوے روپے کے چھ من ہوتے ہیں۔ لیکن زید اسے اس شرط پر رقم دیتا ہے کہ میں اتنی مدت کے بعد تم سے نو من گندم دس روپے من کے حساب سے لوں گا۔[3] مثال میں متعدد غلطیاں ہیں جن کی وجہ سے وہ بیع سلم کی مثال نہیں۔ بیع سلم کی مثال بہ اس صورت میں بن سکتی ہے جب یہ کہا جائے کہ "زید خالد کو نوے روپے پیشگی قیمت کے طور پر دیتا ہے اور کہتا ہے کہ مثلاً دو ماہ بعد میں تم سے ان نوّے روپے کا

[1] کمرشل انٹرسٹ ص ۷ [2] "دونوں میں قرض دینے والا" حوالہ بالا ص ۹ ، [3] حوالہ بالا ص ۸

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ایسا ایسا گندم نو من لوں گا" دونوں مثالوں میں فرق یہ ہے کہ مؤلف کی مثال میں پیشگی قیمت کو قرض قرار دیا گیا ہے دوسرے یہ بات پہلے سے طے کر لی گئی ہے کہ مدّت مقررہ کے بعد گندم ایک مقررہ نرخ سے لیا جائے گا حالانکہ سلم میں اس طرح کی کوئی شرط نہیں ہوتی، فروخت کنندہ صرف اس کا ذمّہ دار ہے کہ مدّت مقررہ کے بعد بازار کے نرخ سے نو من گندم خریدار کے حوالے کر دے۔ مؤلف کی مثال میں نفع پہلے سے مقرر ہو جاتا ہے حالانکہ جیسا ظاہر ہے سلم میں منافعہ کی صورت یہ نہیں ہوتی بلکہ ہوتا یہ ہے کہ اوپر دی ہوئی مثال میں جس وقت زید نے خالد کو نوّے روپے ادا کئے وہ نو من گیہوں کے ادا کئے، حالانکہ اس وقت اگر وہ بازار میں گیہوں خریدتا تو بقول مؤلف گیہوں کا نرخ پندرہ روپے من ہونے کی وجہ سے اس کو صرف چھ من گیہوں مل سکتے تھے۔ بیچنے والا دو ماہ کے بعد نو من گندم دینے کا اقرار کرتا ہے اُسے یہ فائدہ ہے کہ ایک طرف تو اُسے نوّے روپے کی رقم یکمشت مل جاتی ہے جسے وہ کسی بھی مصرف میں لا سکتا ہے دوسری طرف اسے اپنے نو من گندم کا ایک خریدار مل جاتا ہے۔ خریدار کو اس سودے میں نفع ہونے کی یہ توقع ہے کہ اس کے اندازے میں اس وقت جبکہ گیہوں اُس کے حوالے کئے جائیں گے اُن کا نرخ موجودہ نرخ سے زیادہ ہوگا لیکن اگر اُس کے اندازے کے برخلاف اس وقت گیہوں کا نرخ گر گیا تو بیچنے والے کا فائدہ ہونے کا بھی پورا امکان ہے۔ اور جیسا کہ اس سے پہلے بتایا گیا کہ بازار کے نرخ اور طلب و رسد کے اندازے ایسی چیز نہیں جن کے بارے میں کوئی یقینی بات کہی جا سکے کیونکہ نرخ اور طلب و رسد اکثر و بیشتر ایسے عوامل کی کارفرمائی کا نتیجہ ہوتے ہیں جن کو بڑے سے بڑا سرمایہ دار بھی کنٹرول نہیں کر سکتا۔ اس لئے سلم کی صورت میں خریدار کا فائدہ مؤلف کے خیال کے برخلاف نہ یقینی ہے نہ مقرر۔ نظر بریں مؤلف کی مثال میں جو مفروضہ کام کر رہا ہے کہ جب وہ وقت آئے گا جب بیچنے والے کو گیہوں دینا ہیں تب بھی گیہوں کا نرخ وہی ہوگا جو معاہدۂ بیع کے وقت تھا' بے بنیاد ہے جس کی وجہ سے مؤلف کا یہ خیال کہ خریدار "بیع سلم میں راس المال کی قیمت کے گندم سے زیادہ رقم کا گندم حاصل کرتا ہے"[1] صحیح نہیں رہتا۔

مضاربت پر تفصیلی گفتگو گذر چکی ہے، بیع سلم کی حقیقت پر بقدر ضرورت بحث کی جا چکی ہے

---

[1] کمرشل انٹرسٹ ص ۸

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جس سے معلوم ہوا ہوگا کہ فاضل مولف کی یہ بات قابلِ اعتنا نہیں کہ بیع سلم تقریباً مضاربت جیسی چیز ہے یا مضاربت اور کمرشل انٹرسٹ میں لفظی فرق کے سوا کچھ نہیں۔ یہ تینوں معاملات ایک دوسرے سے بالکل جُدا ہیں مگر فاضل مولف اسی پر بس نہ کر کے سودی قرض اور اجارہ کی دو مثالیں دے کر یہ سوال اُٹھاتے ہیں کہ ان دونوں سودوں میں فرق پیدا کرنے والی کیا چیز ہے اور ایک جائز اور دوسری ناجائز کیوں ہے۔ ہم کوشش کرتے ہیں کہ موصوف کی پیش کردہ مثالوں میں فرق کی نشان دہی کردی جائے۔

پہلی مثال

"ایک شخص[۱] (ا) کسی (ب) کو ایک ٹیکسی خرید کر دیتا ہے کہ تم اسے چلاؤ اور اسے جس طرح مناسب سمجھو اچھی طرح استعمال کرکے جتنا چاہو کماؤ اور مجھے ہر روز دس روپے دے دیا کرو۔"

(ا) یہ معاملہ اجارہ کا ہے جس میں ا کی حیثیت مُواجر کی، ب کی متاجر کی اور ٹیکسی کی متاجَر کی ہے۔

دوسری مثال

ایک شخص (ج) کسی (د) کو بیس ہزار روپے دیتا ہے کہ تم اس سے ٹیکسی خرید کر چلاؤ اور مجھے دس روپے دے دیا کرو۔"[۲]

(ا) یہ معاملہ قرض کا ہے۔ ج قرضخواہ، د قرضدار اور دس ہزار روپے قرض دی ہوئی رقم ہے۔

---

[۱] دونوں مثالوں میں قوسین کے اندر کے حروف ہمارے ہیں جو وضاحت کے لئے بڑھا دیئے گئے ہیں۔

[۲] فاضل مولف نے دوسری مثال کو کچھ مبہم رکھا ہے اسے ایک تو قرض کی صورت قرار دیا جا سکتا ہے جیسا کہ کیا گیا اور جیسا کہ ظاہر ہے دوسری طرف اسے وکالت بالشرا اور اجارہ سے مرکب قرار دیا جا سکتا ہے اس دوسری صورت میں یہ فرض کرنا پڑے گا کہ ج نے د سے یہ کہا کہ یہ میرے روپے ہیں تم ان سے میرے لئے ٹیکسی خرید لاؤ (خریدے جانے پر وہ ٹیکسی ج کی ہی ملکیت ہوگی) اور اس کے بعد وہ ٹیکسی تمہارے پاس کرائے پر رہے گی۔ کرائے کی رقم دس روپے روز ہوگی اس صورت میں اس مثال کا دوسرا جز پہلی مثال کے مانند ہو جائے گا۔ (ہمیں یہاں اس صورت کے جواز و ناجواز سے بحث نہیں کیونکہ) اس دوسری شکل میں یہ مثال کسی طرح مؤلف کے مفید مطلب نہ رہے گی جس کی وجہ یہ ہے کہ ان کا مقصد کمرشل انٹرسٹ اور اجارہ میں مماثلت ثابت کرنا ہے اور دوسری صورت میں جب قرض کا معاملہ ہی نہ رہیگا تو کمرشل انٹرسٹ کا سوال ہی پیدا نہ ہوگا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

(۲) ٹیکسی (کی ملکیت ہے۔ ب صرف اس کی منفعت کا مالک ہے	(۲) قرض کی رقم بالکلیہ د کی ملکیت ہو چکی د اس رقم اور اس کی منفعت دونوں کا بلا شرکتِ غیرے مالک ہے اس سے ج کے تمام حقوقِ تصرف ختم ہو چکے۔
(۳) ب کے پاس ٹیکسی بطور امانت ہے وہ اس کی مناسب حفاظت اور دیکھ بھال کا ذمہ دار ہے وہ اس میں کوئی ایسا تصرف نہیں کر سکتا جو اس ٹیکسی کے لئے ضرر رساں ہو، یا جو مالک کی اجازت کے خلاف ہو۔ اگر ب شرائط کی خلاف ورزی کر کے ٹیکسی کو نقصان پہونچاتا ہے تو مالک اس سے تاوان وصول کرنے کا حق دار ہے	(۳) کیونکہ قرض کی رقم د کی ملکیت ہے لہذا وہ اس میں ہر تصرف کا مجاز ہے چنانچہ یہ شرط لغو قرار دی جائے گی کہ تم اس سے ٹیکسی خرید کر چلاؤ۔ د اس شرط کا قطعاً پابند نہیں وہ اس رقم کا جو چاہے کر سکتا ہے، وہ چاہے تو ٹیکسی خریدے نہ چاہے تو نہ خریدے اور اس رقم کو کسی اور مصرف میں لائے د اگر اپنی رقم کو لاپروائی کی وجہ سے یا جان بوجھکر بھی ضائع کر دیگا تو بھی ج کو د سے اس کے اس تصرف کی بنا پر کسی قسم کا کوئی تاوان وصول کرنے کا حق نہیں پہونچتا۔
(۴) ب دس روپلے روزانہ کا دیندار ہے یہ رقم ٹیکسی کا کرایہ ہے اور (کا جائز حق ہے اگر ٹیکسی ب کی سپردگی میں دی جا چکی ہے تو عدم استعمال کی صورت میں بھی وہ کرائے کا دیندار ہے۔	(۴) دس روپلے کی رقم ان بیس ہزار کا سود ہے جو ج نے د کو دیئے ہیں۔ ج کا کوئی شرعی قانونی حق ان دس روپوؤں پر نہیں خواہ د نے ٹیکسی خریدی ہو یا نہ خریدی ہو، چلائی ہو یا نہ چلائی ہو۔

ان دونوں معاملات میں جن میں سے ایک اجارہ (کرایہ) کا ہے اور دوسرا قرض کا "فرق بتائے جا چکے لیکن حیرت ہے کہ فاضل مؤلف ان دونوں کے بارے میں یہ فیصلہ کرتے ہیں کہ: "یہ دونوں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بیع ہیں[1]" اور" اگر جائز ہیں تو دونوں ہی جائز ہیں اور ناجائز ہیں تو دونوں ہی ناجائز ہیں کیونکہ فرق صرف لفظی ہے معنیٰ کوئی فرق نہیں[2]" اجارہ اور قرض کو کوئی معمولی عقل و علم کا آدمی بھی بیع نہیں بنا سکتا عوام الناس تک ان سب معاملات میں فرق کرتے ہیں ان حقیقی اور واضح فروق کو لفظی ہیر پھیر سمجھنا بدیہیات کے انکار سے کچھ کم نہیں۔

آگے چل کر فاضل مؤلف نے آیت یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوْۤا اَمْوَالَكُمْ بَیْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ اِلَّاۤ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ (۴: ۲۹) کی تشریح کرتے ہوئے بعض غلط باتیں لکھ دی ہیں۔ اُن کا یہ خیال صحیح نہیں کہ "یہاں اکل بالباطل کی ممانعت تجارت ہی کے تمام طریقوں سے متعلق ہے مطلب یہ کہ تجارت کے جن جن طریقوں میں اکل بالباطل ہو وہ سب حرام ہیں[3]۔ اکل بالباطل کی ممانعت کو تجارت کے لئے مخصوص کر دینے کی کوئی دلیل نہیں دی جا سکتی۔ آیت کا سیاق و سباق صاف بتا رہا ہے کہ قرآن مجید اکل بالباطل کی تمام صورتوں سے روک رہا ہے۔ خواہ وہ تجارت میں پائی جائیں یا زندگی کے کسی اور شعبہ میں[4]۔

---

[1] و [2] کمرشل انٹرسٹ ص ۸۰ [3] کمرشل انٹرسٹ ص ۸۳

[4] قال ابوبکر قد انتظم هذا العموم النهي عن اكل مال الغير بالباطل واكل مال نفسه بالباطل وذلك لان قوله تعالى "اموالكم" يقع على مال الغير ومال نفسه ... فكذلك قوله تعالى "لا تاكلوا اموالكم بينكم بالباطل" نهي لكل احد عن اكل مال نفسه ومال غيره بالباطل واكل مال نفسه انفاقه في معاصي الله واكل مال الغير بالباطل قد قيل وجهان احدهما

یہ عموم دوسرے کے مال اور اپنے مال دونوں کو باطل طور پر کھانے کی ممانعت کو شامل ہو، وجہ یہ ہے کہ باری تعالیٰ کا قول "اموالکم" اپنے اور غیر دونوں کے مال کے لئے آتا ہے ... چنانچہ اس طرح "لا تاکلوا اموالکم بینکم بالباطل" میں ہر شخص کے لئے اپنے اور دوسرے دونوں کے مال کو باطل طریقے سے کھانے کی ممانعت پائی جاتی ہے۔ اپنا مال باطل طریقے پر کھانے کا مطلب ہے اسے اللہ کی نافرمانیوں میں خرچ کرنا اور دوسرے کے مال کو باطل طور پر کھانے کی دو صورتیں بعض لوگوں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس پر بحث کرتے ہوئے فاضل مولف نے 'عن تراض' کے فقرے کو 'اکل بالباطل' سے متعلق سمجھ کر

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ ۔ ما قال السدی
وھو ان یاکل بالربوا والقمار والنجس
والظلم وقال ابن عباس والحسن ان یاکلہ
بغیر عوض .... ونظیرہ ما اقتضتہ الآیۃ
من النھی عن اکل مال الغیر قولہ تعالیٰ
ولا تاکلوا اموالکم بینکم بالباطل وتدلوا
بھا الی الحکام" وقول .... النبی صلی اللہ
علیہ وسلم "لا یحل مال امرئ مسلم
الا بطیبۃ من نفسہ" ودل ان النھی عن
اکل مال الغیر معقود بصفۃ وھو ان
یاکلہ بالباطل وقد تضمن ذلک کل ابدال
العقود الفاسدۃ کاثمان البیاعات الفاسدۃ
وکمن اشتری شیئاً من الماکول فوجدہ فاسداً
لا ینتفع بہ نحو البیض والجوز فیکون اکل
ثمنہ اکل مال بالباطل وکذلک ثمن کل
ما لا قیمۃ لہ ولا ینتفع بہ کالقرد والخنزیر
والذباب والزنابیر وما اثرہ ما لا منفعۃ
فیہ فلا انتفاع باثمان جمیع ذلک اکل
مال بالباطل وکذلک اجرۃ النائحۃ
والمغنیۃ وکذلک ثمن المیتۃ والخمر

نے بتائی ہیں ایک جو سدی نے بتائی کہ اسے ربوا، قمار
اور ظلم کے ذریعے کھائے، ابن عباس اور حسن کا قول
ہے کہ اسے بغیر عوض کے کھائے .... اکل مال غیر کی
ممانعت کا جو مقتضی اس آیت کا ہے اس کی نظیر
"ولا تاکلوا اموالکم بینکم بالباطل وتدلوا
بھا الی الحکام" اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
کا ارشاد "لا یحل مال امرئ مسلم الا بطیبۃ
من نفسہ" (کسی مسلمان کا مال بغیر اس کی مرضی کے
درست و حلال نہیں) اور بوجہ اس کے کہ اکل مال
غیر کی ممانعت ایک صفت کے ساتھ ہے اور وہ یہ کہ
اکل بالباطل ہو۔ اس میں عقود فاسدہ کے سارے
عوض اور بدل شامل ہیں مثلاً بیوع فاسدہ کی قیمتیں
یا مثلاً کسی نے کوئی کھانے کی چیز خریدی اور خریدنے
کے بعد اسے معلوم ہوا کہ وہ اتنی خراب ہو چکی ہے کہ
اس سے فائدہ اٹھانا ممکن نہیں رہا مثلاً انڈے
یا جوز، تو ایسی چیز کی قیمت کا کھانا اکل مال بالباطل ہے
اور اسی طرح ہر اس چیز کی قیمت جس کی کوئی قدر
(VALUE) نہیں اور جو قابل انتفاع نہیں مثلاً
بندر، سور، بھڑیں اور تمام وہ اشیاء جن میں کوئی منفعت
نہیں، ان سب چیزوں کی قیمت اکل مال بالباطل ہے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اکل بالباطل کو 'عدم رضا' پر موقوف سمجھ لیا ہے، حالانکہ 'عن تراض' تجارۃ سے متعلق ہے[1] اور باطل کے مفہوم میں ہر وہ طریقہ، ذریعہ اور معاملہ شامل ہے جو شریعت کے خلاف ہو یا جس کی شریعت نے اجازت نہ دی ہو۔[2]

---

[1] 'عن تراض' صفۃ لتجارۃ ای تجارۃ صادرۃ عن تراض الکشاف ۱/ ۳۰۸

"عن تراض" تجارت کی صفت ہے یعنی وہ تجارت جو تراضی طرفین سے ہوئی ہو۔

[2] ھذہ الآیۃ [لا تاکلوا اموالکم بینکم بالباطل وتدلوا بھا الی الحکام لتاکلوا فریقاً من اموال الناس بالاثم وانتم تعلمون۔ بقرہ] من قواعد المعاملات، واساس المعاوضات ینبنی علیھا، وھی اربعۃ: ھذہ الآیۃ[1] وقولہ تعالیٰ[2]: واحل اللہ البیع

معاملات کی بنیاد اور معاوضات کی اساس جن پر ان کی بنا کی جاتی ہے چار ہیں ۱۔ یہ آیت (یعنی ولا تاکلوا اموالکم بینکم بالباطل وتدلوا بھا الی الحکام لتاکلوا فریقاً من اموال الناس بالاثم وانتم تعلمون ۔ بقرہ)

۲۔ باری تعالیٰ کا قول "واحل اللہ البیع وحرم الربوا

تتمہ صفحہ ۷۸ پر

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ

والخنزیر وھذا یدل ان من باع فاسدا واخذ ثمنہ انہ منھی عن اکل ثمنہ وعلیہ ردّہ الی مشتریہ وکذلک قال اصحابنا، انہ اذا تصرف فیہ فربح فیہ وقد کان عقد علیہ بعینہ وقبضہ ان علیہ ان یتصدق بہ لانہ ربح حصل لہ من وجہ محظور وقولہ تعالیٰ لاتاکلوا اموالکم بینکم بالباطل" منتظم لھذہ المعانی کلھا ونظائرھا من العقود المحرمۃ

الجصاص: احکام القرآن ۲/ ۲۰۹

اور اسی طرح نوحہ کرنے والی اور گانے والی کی اُجرت اور مردار، شراب اور سور کی قیمت ۔ یہ اس بات کی بھی دلیل ہے کہ اگر کسی نے کوئی چیز بیع فاسد کے ذریعہ فروخت کی اور اس کی قیمت وصول کرلی تو اس قیمت کا کھانا اس شخص کے لئے ممنوع ہے اور اس قیمت کو مشتری کو لوٹا دینا اس کے ذمّہ ۔ چنانچہ ہمارے اصحاب کا یہ بھی قول ہے کہ اگر کسی نے بیع عینہ کا عقد کیا اس سے جو منافع ہوا اسے وصول کرلیا۔ تو اس منافع کا صدقہ کر دینا اس کے ذمّہ لازم ہے کیونکہ وہ منافع ناجائز طریق پر حاصل ہوا ہے۔ باری تعالیٰ کا قول لا تاکلوا اموالکم بینکم بالباطل نہ صرف ان سب چیزوں کو شامل ہے بلکہ ان سارے عقود محرمہ

[illegible]

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ

۳) حرم الربوا واحادیث الغرر
واعتبار المقاصد والمصالح۔

ولا تاکلوا اموالکم المعنی لا یاکل
بعضکم مال بعض، ولا تاکلوا معناہ ولا تاخذوا
ولا تتعاطوا بالباطل یعنی بما لا یحل شرعا ولا
یفید مقصودًا لان الشرع نہی عنہ ومنع منہ
وحرم تعاطیہ کالربوا والغرر ونحوھما۔ والباطل
ما لا فائدۃ فیہ ففی المعقول ھو عبارۃ من
المعدوم وفی الشرع عبارۃ عما لا یفید مقصودًا

ابن العربی: احکام القرآن ۹۶/۱

"الا ان تکون تجارۃ": التجارۃ فی
اللغۃ عبارۃ عن المعاوضہ ومنہ الاجر
الذی یعطیہ الباری عوضا عن الاعمال
الصالحۃ التی ھی بعض من مثلہ
فکل معاوضۃ تجارۃ علی ای وجہ کان
العوض الا ان قولہ بالباطل اخرج منھا
کل عوض لا یجوز شرعا من ربوا او جہالۃ
او تقدیر عوض فاسد کالخمر والخنزیر

ابن العربی: احکام القرآن

۳۔ غرر کے بارے میں وارد شدہ احادیث۔ ۴۔ مقاصد
ومصالح کو معتبر سمجھنا۔

"ولا تاکلوا اموالکم" کا مطلب ہے تم میں سے کوئی کسی کا مال نہ کھائے
"ولا تاکلوا" کا مطلب ہے نہ لو نہ لین دین کرو اس وجہ سے بالباطل کا مطلب ہے
جو نہ شرعاً حلال ہو اور نہ وہ اس وجہ سے مقصود بن سکے کہ شریعت نے اسے ناجائز
قرار دیا ہو، اس سے روکا اور اس کا لین دین حرام کیا مثلاً
ربوا، غرر وغیرہ۔ باطل اسے کہتے ہیں جو بیکار ہو جس کا
کوئی فائدہ نہ ہو چنانچہ معقولیات کی اصطلاح میں اس کا
مفہوم "معدوم" ہوتا ہے اور شرعی اصطلاح میں
وہ چیز جو مقصود بننے کی صلاحیت نہ رکھتی ہو۔

"الا ان تکون تجارۃ" تجارت کے لغوی معنی باہم عوض
یا بدلے پر معاملہ کرنا ہیں۔ اسی میں وہ اجر بھی شامل ہے
جو باری تعالیٰ ان اعمال صالحہ کے بدلے عطا فرماتا
ہے جو اس اجر کے مانند ہیں۔ لہذا باہمی عوض کا ہر معاملہ
تجارت ہے خواہ بدل یا عوض کی صورت کچھ بھی ہو مگر اتنی
بات ضرور ہو کہ بالباطل کی قید سے اس میں سے ہر وہ عوض
خارج ہو گیا جو شرعاً جائز نہیں، ربوا، جہالت
یا عوض فاسد مثلاً شراب اور سور کی
وجہ سے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جو شریعت کے خلاف ہیں اور ایک دوسرے کے اموال کا حصول تجارت کے ذریعے جو باہمی رضامندی سے ہو، جائز قرار دیا جا رہا ہے (باقی)

بقیہ حاشیہ نمبر ۳۴۳

"ولا تاکلوا .. وتدلوا بها الى الحكام":
والمراد من الاكل ما يعم الاخذ والاستيلاء وعبر به لانه اهم الحوائج وبه يحصل اتلاف المال غالباً والمعنى لا ياكل بعضكم مال بعض ... والباء للسببية والمراد من الباطل الحرام كالسرقة والغصب وكل ما لم ياذن باخذه الشرع. الآلوسی: روح المعانی ۶۶/۲

"يا ايها الذين آمنوا لا تاكلوا ... تراض منكم": والمراد من الاكل سائر التصرفات والمراد لا ياكل بعضكم اموال بعض والمراد بالباطل ما يخالف الشرع كالربوا والقمار والبخس والظلم قاله السدى

"الا ان تكون ... تراض منكم" استثناء منقطع ونقل ابو البقاء القول بالاتصال وضعفه وحاصل المعنى لا تقصدوا اكل الاموال بالباطل لكن اقصدوا كون الى وقوع تجارة عن تراض او ولا تاكلوا ذلك كذلك فانه منهى عنه لكن وجود تجارة عن تراض غير منهى عنه
آلاوسی: روح المعانی ۱۴/۵

"بالباطل" بالوجه الذى لم يبحه الله و لم يشرعه (بقرة) الكشاف ۱۷۶/۱

"تجارة عن تراض" (النساء) بالباطل بما لم تبحه الشريعة من نحو السرقة والخيانة والغصب والقمار وعقود الربوا

"ولا تاکلوا .... وتدلوا بها الی الحکام" اکل سے مراد صرف کھانا نہیں بلکہ یہ اخذ و استیلا سب کو عام ہے اسے اکل سے تعبیر کرنے کی وجہ یہ ہے کہ یہ سب سے ضروری حاجت ہے اور اکثر و بیشتر مال اسی کے ذریعے صرف ہوتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ کوئی کسی کا مال نہ کھائے .... بالباطل میں با سببیت کے لئے ہے اور باطل سے مراد حرام ہے مثلاً سرقہ اور غصب اور ہر وہ چیز جس کے لینے کی اجازت شریعت نے نہیں دی

"یا ایہا الذین آمنوا لا تاکلو تراض منکم" اکل سے مراد تمام تصرفات ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ کوئی کسی کا مال نہ کھائے باطل سے مراد خلاف شریعت ہے مثلاً ربوا، قمار، حق مار لینا اور ظلم۔ یہ سدی کا قول ہے۔

"الا ان تکون .... تراض منکم" استثناء منقطع ہے۔ ابو البقاء نے استثناء متصل کا قول نقل کر کے اس کی تضعیف کی ہے۔
حاصل مطلب یہ ہے کہ باطل طریقے سے اموال کھانے کا قصد نہ کرو بلکہ تراضی طرفین سے ہونے والے باہمی معاوضہ کا قصد کرو یا باطل طریقے سے اموال نہ کھاؤ کیونکہ وہ ممنوع ہے لیکن تراضی طرفین سے جو تجارت پائی جائے وہ غیر ممنوع ہے۔

بالباطل: اس طریقے سے جسے اللہ نے حلال نہیں کیا اور جو غیر مشروع ہے۔

تجارة عن تراض (النساء) بالباطل یعنی اس طریقے سے جسے اللہ نے حلال نہیں کیا مثلاً سرقہ، خیانت، غصب، قمار اور سودی لین دین۔

© rasailojaraid.com